حوالہ سے طلباء کی ذہن سازی نہیں ہو رہی، وہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ جو فرقہ ہمارا ہے یہی درست ہے اور باقی غلط ہیں۔ جبکہ ان کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ جماعت طائفہ منصورہ میں شامل ہو گی جو قرآن وسنت کے مطابق عمل کرے، صرف باتوں تک خود کو محدود نہ رکھے۔

اپنے مسلک یا جماعت کو دوسروں سے افضل سمجھنا: انتہاپسندی کا دوسرا بڑا محرک اپنے مسلک اور جماعت کو دوسروں کے مسالک اور جماعتوں سے نہ صرف بہتر سمجھنا بلکہ زور وشور سے قول وفعل کے ذریعے اس کا پرچار بھی ہے، حالانکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا روز قیامت فیصلہ ہوگا کہ عنداللہ کون مقبول ہے۔

حدیث میں ایک مسلمان اور یہودی کا واقعہ آتا ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی آپس میں بحث ہو گئی۔ مسلمان نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا پر فضیلت دی۔ یہودی نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو دنیا پر فضیلت دی۔ اس پر مسلمان نے یہودی کے چہرے پر تھپڑ مار دیا۔ یہودی نے سارا ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ اس پر آپ نے مسلمان سے صورت حال دریافت کی اور فرمایا:

لا تخیرونی علی موسی، فان الناس یصعقون یوم القیامۃ فاصعق معھم، فاکون اول من یفیق فاذا موسی باطش جانب العرش فلا ادری اکان فی من صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی اللہ(۱)

"مجھ کو موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے، میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو جاوں گا۔ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا کونہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے، یا اللہ تعالیٰ نے ان کو بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔"

امام بدر الدین عینی لکھتے ہیں: "اور اس حدیث میں ایسی فضیلت بیان کرنے سے منع کیا گیا جو لڑائی جھگڑے کا باعث بنے جیسے کہ مسلمان نے یہودی کو طمانچہ مار دیا۔" (۲)

جب آپ کا اپنی بلند و بالا شان اور رفعت مکان کے باوجود اپنے آپ کو حضرت موسیٰ پر اور پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے منع کیا باوجود اس بات کہ آپ امام الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں تو پھر عصر حاضر میں اس بات کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے کہ ہر جماعت صرف اپنے آپ کو متبع حق سمجھتے ہوئے دوسروں سے خود کو افضل وبرتر سمجھے اور ایسے افکار وخیالات پھیلائے جو انتہاپسندی کی طرف لے جا رہے ہیں؟

مخالفت و موافقت میں انتہا کرنا: مذہبی انتہاپسندی کا ایک اہم سبب اپنے مد مقابل جماعتوں کی مخالفت یا موافقت میں انتہا کرنا ہے کہ ہر وہ کام اور طریقہ اختیار کیا جائے جس سے دیگر مخالف جماعتوں اور گروہوں کی بھر پور مخالفت ہو یا کسی جماعت سے ایسی موافقت کا اظہار ہو کہ اس طرز عمل سے ان کی انفرادیت قائم ہو۔ یہ طرز عمل بسا اوقات اس انتہا تک لے جاتا ہے جو دنگا فساد اور قتل وغارت کا موجب بنتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے جس میں اعتدال پسندی کا حکم اور انتہاپسندی سے دوری کا سبق

ملتا ہے۔ اس کا اطلاق آج کی اس صورت حال پر کیا جا سکتا ہے۔

یہود کا طرز عمل تھا کہ ماہواری کے ایام میں اپنی عورتوں سے الگ تھلگ رہتے، کھانا وپینا، رہائش اور جملہ معاملات ترک کر دیتے تھے۔ اور نصاریٰ ان ایام کی کچھ پروانہ کرتے، اپنی بیویوں سے جماع کرتے تھے۔ اور زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی عادت بھی یہود کی طرح تھی۔ (۳۲) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں:

وَيَسئَلُونکَ عَنِ المَحِيضِ، قُل هُوَ اَذًى فَاعتَزِلُوا النِّسَاء فِي المَحِيضِ (۳۳)

"آپ سے یہ لوگ حیض کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ حیض ایک طرح کی گندگی ہے لہٰذا زمانہ حیض میں عورتوں سے دور رہو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید وضاحت بیان فرمادی:

جامعوهن فی البیوت واصنعوا کل شیء غیر النکاح (۳۴)

"ان کے ساتھ گھروں میں رہو، ماہواری کے ایام میں وطی کے علاوہ دیگر تمام معاملات کی اجازت ہے۔"

جب اس بات کا علم یہود کو ہوا تو انہوں نے چہ مگوئیاں شروع کر دیں کہ آپ ہر بات میں ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ یہ سن کر دو صحابیوں حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد ابن بشر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات سنا کر کہا: "اے اللہ کے رسول! یہودی ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں تو کیا ہم زمانہ حیض میں عورتوں کے ساتھ جماع نہ کر لیا کریں؟" (۳۵)

ان دو صحابیوں کی اس بات کا مقصود یہ تھا کہ ہم اپنی بیویوں کے ساتھ ان ایام میں جماع کیا کریں تاکہ ان یہود کی انتہائی مخالفت ہو جائے۔ یہ بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس متغیر ہو گیا۔ وجہ ناراضی یہ تھی کہ کسی کی مخالفت میں اتنا نہ آگے بڑھ جاو کہ شریعت کی مخالفت اور معصیت کا ارتکاب لازم آئے۔

یہود و نصاریٰ نے اس مسئلہ میں جو شدت اور انتہا پسندی اختیار رکھی تھی، اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لیے درمیانی راستہ نکال دیا کہ وطی کے علاوہ باقی معاملات کی اجازت ہے۔ لہٰذا جہاں یہ معلوم ہوا کہ کسی کی مخالفت یا محبت میں اتنا آگے بڑھ جانا جو شریعت کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے خلاف ہو، وہ ناجائز ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس قسم کی روایات کی ایسی تشریح وتوضیح کی جائے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے افراد شریعت کی اصل روح تک پہنچ سکیں اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں اور معاشرتی زندگی کے بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

رواداری کا فقدان: اس وقت رواداری بالکل مفقود ہے۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عوام تو ایک طرف، خواص ایک دوسرے کو برداشت کرنا، اکٹھے بیٹھنا تو درکنار، دیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔ ظاہر ہے، جب اس قسم کا طرز عمل مذہبی پیشواوں اور طبقوں کی طرف سے آئے گا تو عوام پر اس کے اثرات ویسے ہی مرتب ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام وخواص میں سے رواداری کے جذبات ختم ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اسلامی

تاریخ کا مطالعہ بتلاتا ہے کہ اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری سے کام لینے کا کہا گیا ہے چہ جائیکہ مسلمانوں کے ایک دوسرے سے تعلقات عدم رواداری کی نذر ہو جائیں۔ جب اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک برتنے کا حکم دیا ہے تو وہ کب اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ رواداری سے نہ پیش آئیں۔

اس وقت فقہائے اربعہ کے پیروکار دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ شروح حدیث، تفسیر یا فقہ میں حنفی و مالکی، شافعی، حنبلی اہل علم کی کتب کا مطالعہ کریں تو ان میں بہت سے دیگر فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والے افراد کے تفسیری یا فقہی اقوال ملیں گے، مثلاً حنفی مفسرین کے اقوال، مالکی و شافعی مفسرین کی کتب تفسیر میں ملیں گے اور اسی طرح ان کے اقوال حنفی مفسرین کی تفاسیر میں موجود ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس حنفی کتب فقہ میں دیگر فقہی مسالک کے اہل علم کے اقوال ہیں اور ان کی کتب میں حنفی علماء کے حوالے اور اقتباسات موجود ہیں۔ باوجود اس بات کہ وہ علماء مسلکاً امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد کی فقہ پر عمل کرنے والے ہیں۔ مگر ان کی کتب میں دیگر مسالک کے اہل علم کے حوالے اور اقوال و اقتباسات کا موجود ہونا رواداری کی بہت بڑی مثال ہے۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی (م-463ھ) نے اپنی مشہور کتاب "جامع بیان العلم" میں ایک خوبصورت بات لکھی ہے کہ ہمارے اکابر دوران تحقیق دیگر ہم عصر یا متقدم اہل علم کی تحقیق کے برعکس رائے قائم کرنے کے باوجود ایک دوسرے پر فتویٰ بازی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ما برح المستفتون يستفتون فيحل هذا ويحرم هذا فلا يرى المحرم ان المحلل هلك لتحليله ولا يرى المحلل ان المحرم هلك لتحريمه (٦)

"مفتی حضرات ہمیشہ فتویٰ دیتے رہے۔ ان میں سے ایک حلال کا فتوی دیتا ہے اور دوسرا حرام کا فتویٰ دیتا ہے۔ حرام کا فتویٰ دینے والا یہ نہیں کہتا کہ حلال کا فتویٰ دینے والا اس فتویٰ کی وجہ سے ہلاک ہو گیا اور نہ حلال کا فتویٰ دینے والا یہ کہتا ہے کہ حرام کا فتویٰ دینے والا اس فتوے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔"

امت مسلمہ میں جو اخوت و عصمت کے اثرات ملتے ہیں، اس کی بڑی وجہ رواداری ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ علمی و تحقیقی اختلاف کے باوجود قطع تعلّقی کو بیچ میں آنے نہیں دیا گیا اور اختلاف رائے کو مخالفت میں تبدیل نہیں ہونے دیا۔ جبکہ آج ہم کسی بھی جماعت کی اچھی باتوں کا تسلیم کرنا تو درکنار، ان کے وجود کو ہی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ یہ رویہ اسلامی تعلیمات اور ہمارے اکابر کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ اگر ہم خود قرآن و سنت پر عمل کرنے والا مسلمان اور سابقہ علماء کے علمی ورثہ کا امین ثابت کرنا ہے تو اپنی اس روش کو تبدیل کرنا ہوگا۔

اہل علم کی طرف غلط اقوال کی نسبت: مذہبی انتہا پسندی کا ایک اور بڑا محرک دوسروں کی طرف غلط اقوال کی نسبت ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ کی مخالفت کی بڑی وجہ ان کی طرف ایسے غلط اقوال کی نسبت تھی جس سے مقام رسالت میں بے ادبی اور تنقیص کا پہلو نکلتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں ایک گروہ مخالفین کا اتنا غلو کر چکا تھا کہ انہوں نے یہ فتویٰ دے دیا تھا جو ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہے، وہ کافر ہے۔ اس کی تردید میں

حافظ شمس الدین الشافعی (م- 842ھ) نے کتاب "الرد الوافر علی من زعم ان من سمی ابن تیمیة شیخ الاسلام کافر" لکھی جس میں ستاسی علماء کی ابن تیمیہ کے بارے میں عمدہ کلمات اور تاثرات جس پر حافظ ابن حجر اور امام عینی کی تقاریظ بھی ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی کتابوں میں بھی امام شعرانی کے بقول یہ عمل ہوا ہے۔ وہ اپنا واقعہ الاجوبۃ المرضیۃ میں بیان فرماتے ہیں کہ میری کتاب "البحر المورود فی المواثیق والمعهود" میں بعض حاسدوں نے ایسا کر دیا اور جامع ازہر میں اس کی خوب تشہیر کی گئی۔ ایک فتنہ کھڑا ہو گیا۔ پھر میں نے اصل نسخہ جید علماء کی تقریظات کے ساتھ بھیجا تو معاملہ ختم ہوا۔ (۷)

اس لیے جب کسی صاحب علم کا ایسا قول ملے جو محل اشکال ہو تو اسی سے رجوع کرنا چاہیے۔ حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ آتا ہے۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ راوی ہیں کہ میری نظر میں مدینہ کے لوگوں میں نمازیوں میں سے کسی کا مکان مسجد سے اتنا دور نہ تھا جتنا کہ ایک شخص کا تھا، مگر اس کی جماعت ناغہ نہ ہوتی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر تم ایک گدھا خرید لو جس پر گرمی کی شدت اور تاریکی کی بنا پر تم سوار ہو کر مسجد آ سکو تو بہتر ہوگا۔ اس نے کہا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد سے متصل ہو۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچی۔ آپ نے اس سے پوچھا، تیرا اس قول سے کیا مقصد تھا؟ وہ بولا یارسول اللہ، میری غرض اس سے یہ تھی کہ مجھے مسجد میں آنے اور جانے کا ثواب ملے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ نے تجھے وہ سب عطا فرما دیا جو تو نے اس سے چاہا۔ (۸)

اس صحابی کا یہ کہنا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد سے متصل ہو، بظاہر بہت سخت بات لگتی ہے مگر آپ نے اس پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر کرنے سے پہلے اس کی مراد پوچھی۔ اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ اس حدیث سے جو پیغام مل رہا ہے، اس پر عمل کریں۔ مذہبی شخصیات کے اقوال نقل کرتے وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے اور محل نظر افکار کی اصل کتب سے مراجعت کر کے رائے قائم کی جائے اور اگر وہ شخصیت زندہ ہو تو اسی سے استفسار کیا جائے۔

اسلاف پرستی: اس وقت اسلاف پرستی اس قدر مذہبی طبقوں میں راسخ ہو چکی ہے کہ کسی بھی شخصیت پر جائز اور تعمیری تنقید کا سننا بھی گوارا نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ انبیاء کے بعد کوئی بھی شخص خطا سے معصوم نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کی تحریر یا تقریر میں کبھی کوئی خطا یا لغزش نہ ہوئی، اور اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو بتقاضائے بشریت یہ معیوب نہیں ہے۔ مگر اس وقت جو صورتحال ہے، کسی بھی مسلک کے پیروکار سے اگر کہا جائے کہ اس مسئلہ میں آپ کے امام، استاد یا عالم کی فلاں تحقیق درست نہیں ہے یا اس پر یہ سوالات ہوتے ہیں اور اس کے مقابلے میں فلاں کی بات درست ہے تو وہ لوگ قطع نظر اس بات سے کہ ان کا تعلق کس جماعت سے ہے، شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہیں یا ایسی تاویلات کا سہارا لیں گے جس سے ان کے امام، شیخ، استاد کی بات کی تردید نہ ہو سکے، اگرچہ وہ تاویلیں فاسد ہوں۔ اور یہ رویہ بھی صرف موجودہ دور کا نہیں ہے بلکہ صدیوں پہلے یہ رویہ سامنے آیا اور اب پوری طرح اپنی بنیادوں پر کھڑا ہے۔

شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (م- 660ھ) لکھتے ہیں:

"اور عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض فقہائے مقلدین کو اپنے امام کی دلیل کے ایسے ضعف پر واقفیت ہو جاتی ہے کہ جس کی کمزوری کو دور کرنے کے لیے وہ کوئی راہ نہیں پاتے، اور وہ اس کے باوجود اس مسئلہ میں اسی کی تقلید کرتے ہیں اور ان ائمہ کا مذہب ترک کر دیتے ہیں جن کی تائید میں کتاب وسنت اور صحیح قیاسات ہیں، محض اس لیے کہ ان کو امام کی تقلید سے انحراف گوارا نہیں، بلکہ کتاب وسنت کے ظاہر مطلب کو دور کرنے کے لیے وہ تدبیریں کرتے ہیں، اور اپنے امام کے دفاع میں ہر طرح کی بعید اور بے بنیاد تاویلوں سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔" (۹)

جب اندھی عقیدت و تقلید سے یہ حال ہو کہ سب کچھ جانتے ہوئے کہ اس مسئلہ یا قول ورائے میں اس کے امام کی بات مرجوح اور دوسرے امام کی بات راجح اور حدیث کے زیادہ موافق ہے، تب بھی وہ اپنے امام کی بات کو رد کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تو پھر انتہا پسندی کی شدت میں کمی نہیں ہو سکے گی۔ جبکہ اگر ان ائمہ یا بزرگوں کی زندگی میں ان سے اختلاف رائے ہوتا تو وہ بھی ایسا نہ کرتے۔ عصر حاضر کے محققین میں یہ حوصلہ ہونا چاہیے کہ ان کی تحقیقات پر اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ اپنی تحقیقات پر نظر ثانی کریں۔ اگر اصلاح کی ضرورت ہو یا رجوع کرنے کی نوبت آئے تو ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے، اگر اس جماعت کے کسی امام یا عالم کی کوئی اصلاح طلب بات ہو تو اسے تسلیم کرتے ہوئے قبول کر لیا جائے اور خوامخواہ کی بے جان وضاحتوں سے اجتناب کیا جائے۔ اور تقلید کا انکار نہیں ہے، مگر اندھی تقلید سے بچنا بھی ضروری ہے۔

حوالہ جات

(۱) البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، الجامع الصحیح، دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 3، صفحہ 120

(۲) العینی، بدر الدین، محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، جلد 12، صفحہ 250

(۳) البقرہ: 222

(۴) ابو داود، سلیمان بن الاشعث، السجستانی، السنن، بیروت، المکتبۃ العصریہ، س ن، جلد 1، صفحہ 67

(۵) ابو داود، السنن، جلد 1، صفحہ 67

(۶) ابن عبد البر، یوسف بن عبداللہ، جامع بیان العلم وفضلہ، المملکۃ العربیہ السعودیہ، دار ابن الجوزی، 1414ھ، جلد 2، صفحہ 902

(۷) ندوی، ابو الحسن علی، سید، تاریخ دعوت وعزیمت، لکھنو، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، 2005ء، جلد 2، صفحہ 158

(۸) ابو داود، سلیمان بن اشعث السجستانی، السنن، بیروت، المکتبۃ العصریۃ، س ن، جلد 1، صفحہ 152

(۹) ابن عبد السلام، عز الدین عبد العزیز، ابو محمد، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، قاہرہ، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، 1414ھ، جلد 2، صفحہ 159

ابو عمار زاہد الراشدی

مغربی ممالک کے مسلمانوں کے مسائل اور ذمہ داریاں

]اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ، اسلام آباد کے زیر اہتمام شائع ہونے والے مجموعہ "دیار مغرب کے مسلمان: مسائل، ذمہ داریاں، لائحہ عمل" کا دیباچہ[

برطانیہ کا پہلا سفر میں نے ۱۹۸۵ء میں اور امریکہ کا پہلا سفر ۱۹۸۷ء میں کیا تھا۔ دونوں ممالک کے اس سفر کا ابتدائی داعیہ "قادیانی مسئلہ" تھا۔ ۱۹۸۴ء میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے صدارتی آرڈیننس کے ذریعے پاکستان میں اسلام کے نام پر اور مسلمانوں کی اصطلاحات کے ساتھ اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے سے قادیانیوں کو روک دیا اور ان کے لیے اسلام کا نام اور مسلمانوں کے مذہبی شعائر واصطلاحات کے استعمال کو قانوناً جرم قرار دے دیا تو قادیانیوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز لندن کو بنالیا اور وہاں "اسلام آباد" کے نام سے نیا مرکز بنا کر اپنی سرگرمیوں کو اسلام کے نام پر ہی جاری رکھنے کا اعلان کر دیا۔

اس سے پہلے قادیانیوں کا سالانہ جلسہ ربوہ (چناب نگر) میں ہوتا تھا اور اس کے مقابلے میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام مسلمانوں کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ میں ہوا کرتی تھی جس سے تمام مکاتب فکر کے سرکردہ علماے کرام خطاب کرتے تھے۔ ۱۹۸۵ء میں قادیانیوں نے سالانہ جلسہ لندن میں منعقد کرنے کا اعلان کیا تو بعض علماے کرام کو خیال ہوا کہ اس موقع پر مسلمانوں کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس بھی لندن میں ہونی چاہیے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبد الحفیظ مکی، حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود اور حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی نے انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے نام سے ایک فورم قائم کر کے لندن میں ختم نبوت کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی تیاریاں شروع کر دیں۔

میں ایک دن اپنے ایک کام کے لیے لاہور شیرانوالہ گیٹ گیا تو وہاں یہ حضرات اس سلسلے میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ نے کہا کہ اچھا ہوا، تم بھی آ گئے ہو۔ ہم یہ مشورہ کر رہے ہیں اور چونکہ تم لکھنے پڑھنے کا کام اچھی طرح کر لیتے ہو اور وہاں تمھاری ضرورت بھی پڑے گی، اس لیے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس زمانے میں برطانیہ کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، صرف پاکستانی پاسپورٹ سفر کے لیے کافی ہوتا

تھا اور لندن ایئر پورٹ پر مختصر انٹرویو کے بعد ویزا لگ جایا کرتا تھا۔ یہ حضرات جس تاریخ کو کانفرنس منعقد کرنے کا مشورہ کر رہے تھے، اس کے دو تین ہفتے بعد حج کا موقع آ رہا تھا، اس لیے میں نے کہا کہ اگر واپسی پر حج کی سہولت مل جائے تو میں ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا پروگرام بھی یہی ہے، اس لیے تم تیاری کرو۔ چنانچہ ہم نے پروگرام بنالیا اور لندن کے لیے پہلا سفر میں نے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی اور حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی کی رفاقت میں ترکش ایئر لائنز سے کیا۔ راستے میں ہم ایک روز استنبول ٹھہرے اور لندن پہنچ کر ہم نے ختم نبوت کانفرنس کے لیے مختلف شہروں کا دورہ کیا۔ جمعیۃ علماے برطانیہ نے اس سلسلے میں بھرپور تعاون کیا اور انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے زیر اہتمام لندن کے ویمبلے کانفرنس سنٹر میں اگست ۱۹۸۵ء کے دوران عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ بعد میں یہ انٹرنیشنل ختم نبوت مشن، مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان میں ضم ہو گیا اور دونوں کے اشتراک سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت تشکیل پائی، مگر معاملات زیادہ دیر تک اکٹھے نہ چل سکے تو انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے حضرات نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے الگ ہو کر انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی جو اب تک مسلسل کام کر رہی ہے۔

میں ابتدا میں انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے ساتھ تھا اور اس کے لیے کام کرتا رہا، مگر مجلس تحفظ ختم نبوت میں اس کا انضمام میری سمجھ سے بالاتر تھا اور میرے ذہن میں نقشہ یہ تھا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت حسب معمول پاکستان میں کام کرتی رہے، جبکہ عالمی سطح پر یہ کام انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے فورم سے ہو اور دونوں آپس میں تعاون کا کوئی طریق کار طے کر لیں۔ میرے خیال میں ان دونوں کا آپس میں ایک جماعت کے طور پر کام کرنے کا پروگرام قابل عمل نہیں تھا، اس لیے میں نے کنارہ کشی میں عافیت سمجھی، اسی لیے جب دوبارہ علیحدگی کے بعد انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کا قیام عمل میں لایا گیا تو حضرت مولانا عبد الحفیظ مکیؒ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کے بار بار اصرار کے باوجود میں نے اس کے نظم کا حصہ بننے سے معذرت کر لی اور اب میری پوزیشن یہ ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے مشن اور کاز کے لیے دونوں کا خادم ہوں اور ہر ممکن تعاون کی کوشش کرتا ہوں، مگر نظم میں کسی کا حصہ نہیں ہوں۔

بہر حال یہ پس منظر ہے میرے برطانیہ کے پہلے سفر کا جس کے بعد کم و بیش ہر سال برطانیہ جانے، ختم نبوت کانفرنس میں شریک ہونے اور اس کے لیے کچھ نہ کچھ خدمت سرانجام دینے کا معمول بن گیا جو ایک عرصہ تک جاری رہا کہ موسم گرما کے دو تین ماہ کے لیے میں برطانیہ چلا جاتا تھا، البتہ مدرسہ نصرۃ العلوم میں اسباق کی باقاعدہ ذمہ داری قبول کرنے کے بعد سے یہ معمول تبدیل ہو گیا ہے۔ اب صرف ششماہی امتحان کی تعطیلات کے دوران دو اڑھائی ہفتے کے لیے برطانیہ جانے کا موقع مل جاتا ہے جبکہ سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت اسی وجہ سے کئی برسوں سے نہیں ہو رہی۔

امریکہ کے پہلے سفر کا پس منظر بھی یہی تھا کہ ۱۹۸۷ء میں امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی نے پاکستان کے لیے امداد کی بحالی کی شرائط میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے دستوری فیصلے اور انھیں اسلام کے نام پر